بسم اللہ الرحمن الرحیم

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر☆
نگہت یاسمین ہاشمی☆☆

سندِ حدیث اور مستشرقین

سند حدیث کا مفہوم:

سند در حقیقت متن حدیث کا طریقہ یعنی راویوں کا سلسلہ ہے(۱)، اس بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ وہ ایسا راستہ ہے جو متن تک پہنچاتا ہو(۲)، سندِ حدیث متن سے پہلے آتی ہے اس کو طریق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مقصد تک پہنچاتا ہے۔(۳)

سند حدیث کی اہمیت

قرآن حکیم کی روشنی میں:

اسلام میں تحقیق کے بغیر کسی بات کے قبول کرنے کو درست قرار نہیں دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

یَـا ایّھـا الَّـذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقُ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَافَعَلْتُمْ نٰادِمِیْنَ. (۴)

اے ایمان والوں اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم بے جانے بوجھے کسی قوم پر چڑھ دوڑو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔

محدثین نے راویوں کی جانچ پرکھ کے لئے جرح و تعدیل جیسے اہم علم کی بنیاد ڈالی ۔

وَاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ .(۵) اپنے میں سے دو منصف افراد کو گواہ کرلو۔

☆ ڈائریکٹر، سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ☆☆ شعبہ ایجوکیشنل ٹریننگ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

جس طرح گواہ کے لئے قابل اعتماد اور منصف مزاج ہونا ضروری ہے ایسے ہی راوی کی بنیادی صفت بھی عدالت یعنی سیرت کی پاکیزگی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں:

عن ابن ابی بکرة عن ابیه ان النبی ﷺ قال (فی خطبة یوم النحر) لیبلّغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسی ان یبلغ. من هو اوعی له مِنه. (٦)

ابن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے قربانی کے دن خطبے میں ارشاد فرمایا: جو حاضر ہیں وہ (میری باتیں) اُن تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ حاضر کی بہ نسبت غائب زیادہ قوت حافظہ رکھتا ہو۔

آپ ﷺ کے اس فرمان کی بنا پر آپ ﷺ کی احادیث صحابہ کرام کے توسط سے تابعین وان سے تبع تابعین کو اور پھر یہ روایات کتب حدیث کے توسط سے ہم تک پہنچیں۔

عَن سمرة بن جندبٍ و المغیرة بن شعبة قالا قال رسول الله من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو احد الکاذبین (٧)

سمرہ بن جندبؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جو مجھ سے حدیث روایت کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹ ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

احادیث کا گھڑنا اور نبی اکرم ﷺ کے نام انہیں منسوب کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ حدیث روایت کرنے سے پہلے روایان حدیث کے بارے میں جانیں، راوی کے سچے اور جھوٹے ہونے کی پہچان سند کے بغیر ممکن نہیں۔

راوی کی تحقیق کے بغیر محض سنی سنائی باتوں کو دوسروں تک پہنچانا بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عن المغیره بن شعبةؓ قال سمعت رسول الله یقول انّ کذِباَعلی

لیس ککذب علیٰ احدٍ فمن کذب علی متعمدًا فَلْیَتَبَوَّأ مُقْعَدَهُ مِنَ النَّار (۸)

حضرت مغیرؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا مجھ پر جھوٹ اور افترا پردازی کسی عام انسان پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے۔اس لئے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا (جان بوجھ کر) وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

سندِ حدیث کا آغاز وارتقا:

قرآن حکیم کے بعد حدیث رسول ﷺ کی قدر ومنزلت ابتدائی دور سے چلی آرہی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی قبولیت کے لئے احتیاط بھی ابتدائی دور سے ہی شروع ہوگئی تھی۔اسی نے بعد میں ایک علم کی صورت اختیار کرلی۔صحابہ کرامؓ روایت حدیث کے لئے بہت محتاط رویہ اختیار کرتے تھے۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے ہم نے تمام احادیث آنحضرت ﷺ سے نہیں سُنیں۔ ہمارے ساتھی بھی حدیثیں بیان کرتے تھے۔ہم اونٹ چرانے میں مشغول ہوتے اصحاب رسول ﷺ میں سے جو حدیث نہ سن سکتے وہ اپنے ساتھیوں سے سنتے اوران سے جو زیادہ یادرکھنے والے ہوتے اور جن سے وہ سنتے وہ نہایت حزم واحتیاط کا خیال رکھتے۔(۹)

حضرت ابوبکرؓ حدیث کے بارے میں محتاط روش کے علمبردار تھے۔ انہوں نے بغیر تحقیق کے روایات کی کثرت کو روکنے اور احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھنے اور فروغ دینے کے لئے حدیث میں اصول شہادت کو بنیاد بنایا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو صحابہؓ سے پوچھتے اور اطمینان حاصل کرتے جیسا کہ دادی کی میراث والے مسئلے میں آپ نے کیا، قبیصہ بن ذؤیب سے روایت ہے حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں دادی اپنی وراثت طلب کرنے کے لئے آئیں۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں مجھے کچھ نہیں ملا۔میں آج شام لوگوں سے اس معاملے میں استفسار کروں گا۔جب انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی تو لوگوں سے پوچھنے لگے۔حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے فرمایا:''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے اسے چھٹا حصہ دیا''۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا'' کیا کسی اور نے آپ کے ساتھ سنا ہے''۔محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہوکر فرمایا''میں نے رسول ﷺ کو اسے چھٹا حصہ دیتے ہوئے دیکھا۔حضرت ابوبکرؓ

نے اس حکم کو دادی کے لئے جاری کر دیا۔(۱۰)

امام ذہبیؒ کہتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے قبول اخبار میں احتیاط کی (۱۱)، حضرت عمر فاروقؓ بعض صحابیوں کی روایات پر مزید تائید کا مطالبہ کرتے، ایک بار حضرت ابوموسیٰ کو اپنی تائید میں کسی کو پیش کرنے کا اہتمام کرنا پڑا اور انہوں نے ابوسعید خدری کو بطور گواہ پیش کیا، چنانچہ حضرت ابوسعدؓ سے روایت ہے حضرت ابوموسیٰ نے دروازے کے پیچھے سے تین دفعہ حضرت عمرؓ کو سلام کہا انہوں نے اجازت نہ دی (نہ جواب دیا) وہ لوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے پیغام بھیجا اور پوچھا کہ آپ لوٹ کیوں گئے تھے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا۔ اِذا سلم احدکم ثلاثاً فلم یجب فلیر جع ۔(۱۲) جب کوئی آپ میں سے تین دفعہ سلام کرے اور اور اسے جواب نہ دیا جائے لوٹ جائے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ اس بات پر کوئی دلیل (گواہ) لائیں ورنہ میں نہ چھوڑوں گا، حضرت ابوموسیٰؓ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کا رنگ متغیر تھا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا اور پوچھا کہ آپ میں سے کسی نے یہ سنا ہے۔ ہم نے کہا ہم تمام نے سنا ہے۔ انہوں (صحابہؓ) نے ایک آدمی ان کے ساتھ بھیج دیا اور اس نے حضرت عمرؓ کو جا کر بتایا۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ حضرت ابوموسیٰؓ کی خبر کی تائید ہو جائے۔ اس کو نقل کر کے امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو وہ زیادہ راجح ہوتی ہے۔ بہ نسبت اس کے جس کو ایک بیان کرے (۱۲۔۱)

حضرت علیؓ بھی روایت حدیث کے قبول کرنے میں اتنے احتیاط پسند تھے کہ جو حدیث انہوں نے خود نہ سنی ہوتی اسے کسی اور سے سنتے ہوئے اطمینان کے لئے قسم لیتے تھے۔(۱۳)

عن علی بن ربیعة عن اسماء من الحکم الفزاری انه سمع علیا یقول: کنت اذا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حدیثا نفعنی اللہ بما شاء ان ینفعنی منه وکان اذا حدثنی عنه غیره استحلفته فاذا حلف صدقته، وحدثنی ابوبکر و صدق ابو بکر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول مامن عبد مسلم یذنب ذنباً ثم یتوضاء ویصلی رکعتین ثم یستغفر اللہ الا

غفر اللہ لہ (۱۴)

علی بن ربیعؒ سے روایت ہے وہ اسماء بن الحکم الفزاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو فرماتے سنا۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ جو چاہتا مجھے نفع دیتا۔ جب آپ ﷺ کی کوئی اور حدیث مجھے بیان کرتا تو میں اس سے حلف طلب کرتا۔ جب وہ حلف اٹھالیتا تو میں اس کو سچا سمجھتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے حدیث بیان کی اور ابوبکرؓ نے سچ فرمایا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا جب کوئی مسلمان آدمی گناہ کرتا ہے پھر وضو کرتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھتا ہے پھر استغفار کرتا ہے، تو اس کو بخش دیا جاتا ہے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ حدیث قبول کرتے ہوئے حلف لیتے تھے۔ یہ حلف بے یقینی کی وجہ سے نہیں بلکہ اطمینان قلب کی وجہ سے لیتے تھے۔ البتہ حضرت ابوبکرؓ سے جب حضرت علیؓ سنتے تو حلف نہ لیتے کیونکہ انہیں حلف کے لئے کہنا حضرت علیؓ کو معیوب لگتا تھا کیونکہ صدیق اکبرؓ سے بڑھ کر سچا کون ہوسکتا ہے۔

حضرت علیؓ جس طرح حدیث روایت کرنے والے سے قسم لیتے تھے اسی طرح اگر کوئی پوچھنے والا حدیث کے بارے میں آپ سے پوچھتا تو جواباً خود بھی قسم کھاتے اور فرماتے (ای ورب الکعبۃ) (۱۵)

حضرت ابو ہریرۃؓ نے فرمایا:

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونہ (۱۶)

یہ علم دین ہے، اس لئے دیکھو کہ تم کس سے اس کو حاصل کر رہے ہو،

حضرت عقبہؓ بن نافع اپنی اولاد کو وصیت کیا کرتے تھے۔ لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ ﷺ الا عن ثقۃ (۱۷)، رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو صرف ثقہ سے ہی قبول کرو۔

مشہور تابعی عطا بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عقبہ بن عامر کے پاس تشریف لے گئے۔ جب ابوایوبؓ انصاری مصر کے امیر مسلمہ بن مخلد کے مکان پر پہنچے تو اطلاع ملنے پر مسلمہ فوراً باہر آئے اور گلے ملے اور دریافت کیا، کیسے یہ سفر فرمایا؟ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا، ایک حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اب اس کے سننے والوں

میں سے میرے اور عقبہؓ کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ آپ میرے ساتھ کسی کو بھیج دیجئے جو عقبہؓ کا مکان مجھے بتلا دے۔ جب ابوایوبؓ، عقبہؓ کے پاس پہنچے تو وہ فوراً باہر تشریف لائے، معانقہ کیا اور اس سفر کی زحمت گوارہ کرنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا ''سترالمومن'' کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست حدیث سننے والا میرے اور آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے، حضرت عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا: ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

من ستر مومنا فی الدنیا علی خذیة ستره الله یوم القیامة

جس نے کسی مومن کے شرمناک عمل پر پردہ پوشی کی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا۔

یہ روایت سننے کے بعد ابوایوبؓ نے فرمایا ''صدقت'' عقبہؓ ! آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد ابوایوبؓ اپنی سواری کی طرف پلٹے اور مدینہ منورہ واپسی کے لئے اس پر سوار ہو گئے۔ امیر مصر کا عطیہ ان کو اس وقت ملا جبکہ وہ مصر کی سرحد پر پہنچ چکے تھے۔ (۱۸)

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے مدینہ سے مصر تک کا طویل سفر ایک حدیث کی خاطر کیا تا کہ اس کے لفظوں میں کسی قسم کا شک نہ رہ جائے۔ حضرت ابوایوب اپنے شاگردوں سے اس کی تصدیق مدینہ ہی میں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے براہ راست حضرت عقبہؓ سے معلوم کرنا ضروری خیال کیا اس لئے کہ انہوں نے براہِ راست نبی ﷺ سے حدیث سنی تھی۔

ابن عقیل سے روایت ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ طلب حدیث کے لئے اپنے سفر کا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اونٹ خریدا اور ایک ماہ کا سفر طے کر کے ملک شام میں عبداللہؓ بن انیس کے مکان پر پہنچا۔ قاصد کے ذریعے اندر اطلاع کرائی گئی۔ وہاں سے سوال کیا گیا کہ جابر بن عبداللہ تشریف لائے ہیں؟ میں نے جواب اثبات میں دیا تو فوراً عبداللہ بن انیس باہر تشریف لائے اور مجھے گلے لگایا، میں نے ان سے کہا، مجھے ایک حدیث کا علم ہوا ہے جسے براہِ راست میں نے آپ سے نہیں سنا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم دونوں میں سے کسی کو موت کا پیغام نہ آ جائے اس لئے میں نے سفر میں جلدی کی، عبد اللہ بن انیس نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اس حال میں کہ وہ برہنہ بدن، بے ختنہ اور بے سروسامان ہوں گے، ہم نے پوچھا بہما کے معنی کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا، ایسے اشخاص جن کے پاس کچھ نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا ایسی

آواز جس کو دور والے بھی سنیں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد فرمایا، جیسے قریب والے سنتے ہیں (اللہ تعالیٰ فرمائے گا) میں ہی بادشاہ ہوں، کوئی جنتی، جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اس حال میں کہ کوئی دوزخی ظلم کی بنا پر اس سے (قصاص) کا مطالبہ کر رہا ہو، اور کوئی دوزخی دوزخ میں داخل نہ ہوگا اس حال میں کہ کوئی جنتی اس سے ظلم کی وجہ سے بدلہ کا تقاضا کر رہا ہو" (۱۹)

اگر صحابہؓ کے نزدیک سند کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو صرف ایک حدیث کی خاطر اتنا لمبا دشوار گذار سفر اختیار نہ کرتے۔

عبداللہ بن ابی فروہ، امام زہریؒ کے پاس گئے حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو دفعہ کہا۔ امام زہریؒ نے فرمایا ابن فروہ اللہ تمہیں تباہ و برباد کرے تو اللہ کے بارے میں کتنی جرات کرنے والا ہے۔ اپنی حدیث کی سند بیان نہیں کرتا تو ایسی حدیث بیان کرتا ہے جس کی نہ نکیل ہے نہ مہار (یعنی بے سند حدیثیں) (۲۰)

یہاں پر امام زُہری ابن فردہ سے سند بیان نہ کرنے پر سخت رویہ اختیار کئے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسناد کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

ابوالعباس الدغولی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حاتم سے سنا فرماتے تھے کہ:

ان اللہ اکرم ھذہ الامۃ وشرفھا بالا سناد ولیس لاحد من الامم قدیماً وحدیثاً اِسناد موصل اِنماھی صحف فی ایدیھم وقد خلطو بکتبھم الاخبار فلیس عندھم تمیز مانزل من التوراۃ والا نجیل وبین ماالحقوہ بکتبھم من اخبارھم التی اتخذو ھا من غیر الثقات (۲۱)

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مکرم بنایا اور اسناد کے ساتھ اس امت کو شرافت دی، قدیم اور جدید زمانے میں کسی امت کے ہاں اسناد نہیں۔ ان کے پاس صحائف ہیں، انہوں نے اپنی کتابوں سے خبروں کو ملایا۔ ان کے ہاں تورات اور انجیل اور ان خبروں میں کوئی امتیاز نہیں ہے جو انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے لی ہیں۔

ابوبکر ابن العربی المعافری نے فرمایا کہ:

وَاللّٰہ کرم ھذہ الامۃ بالاسناد لم یعطہ احدٌ غیرھا فاحذروا ان تسلکوا مسلک الیھود والنصاری فتحدثوا بغیر اسناد

فتکونوا سالبین نعمة الله عن انفسکم مطرقین للتهمة الیکم ولا حافظین لمنزلتکم ومشترکین مع قوم لعنهم الله وغضب علیهم وراکبین لسنتهم

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اسناد کی وجہ سے مکرم کیا جو کہ ان سے پہلے کسی امت کے پاس نہ تھیں۔ آپ اس بات سے پرہیز کریں کہ یہود و نصاریٰ کے طریقے کو اپنائیں کہ سند کے بغیر حدیث کو بیان کرنے لگیں۔ اس صورت میں آپ اللہ کی نعمت کو اپنے آپ سے سلب کرنے والے ہوں گے اور آپ تہمت کو اپنی طرف راستہ دینے والے ہوں گے اور اپنے مقام کو ضائع کرنے والے ہوں گے اور آپ اس قوم کے ساتھ مشترک ہوں گے جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کا ان پر غضب ہوا اور آپ انہی کے طریقے پر چلنے والے ہوں گے۔

مستشرقین:

مستشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر ہونے اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونے کے ہیں (۲۳)

ڈاکٹر عمر فروخ کے مطابق مستشرق وہ مغربی اسکالر ہوتا ہے جو غیر مسلم ہو (۲۴)

مستشرق درحقیقت ایک ایسے غیر مشرقی محقق کو کہتے ہیں جو مشرقی علوم معاشرت اور ادب وغیرہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ معن زلفو مدینہ نے مغرب کے ان اسکالروں کو مستشرق کہا ہے جو اسلام اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت، اسلامی زبانوں میں دلچسپی رکھتے ہوں (۲۵)

تحریک استشراق کا آغاز وارتقا:

تحریک استشراق کا آغاز اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ہوگیا تھا۔ اسلام کے خلاف سب سے پہلے تحریک چلانے والا ساتویں صدی عیسوی کا جان آف دمشق تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک صرف دو مستشرق ایسے ملتے ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی زندگی اور اسلامی تہذیب کا مطالعہ معروضی انداز میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک پیڑ الفانسی (Peter Alfansi) جو ہسپانوی یہودی ہے اور دوسرا ولیم آف مالمسبری (William Of Malmosbury) ہے۔ (۲۶)

تحریک استشراق کا باقاعدہ اور منظم آغاز صلیبی جنگوں (۱۱ تا ۱۳ صدی عیسوی) کے بعد ایک دینی تحریک کے طور پر ہوا۔ اس تحریک کو سلطنت روما اور پاپائیت کی سرپرستی حاصل تھی۔ سترھویں صدی میں لندن، پیرس، کیمبرج، آکسفورڈ، گلاسگو، ایڈنبرا اور سینٹ انڈریوس کی جامعات میں علوم شرقیہ کی تدریس کے لئے شعبہ جات نے کام شروع کر دیا (۲۷)، اسی صدی میں بدویل (Bedwell) م ۱۶۳۲ء نے اپنی مشہور زمانہ کتاب (Muhammad The Imposture) (محمد الکاذب) لکھی اور نجیب العقیقی نے متعدد کتب کے تراجم عربی سے لاطینی زبان میں کئے۔ (۲۸)

استشراق کے تیسرے اور موجودہ دور کا آغاز اٹھارویں صدی سے ہوا۔ اور یہ اب تک جاری ہے۔ فرانس کے سلوسٹروی ساسی (۱۶۵۸۔۱۷۳۸ء) اور برطانیہ کے ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۷۶۔۱۸۰۱) کو دور جدید کے استشراق کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے (۲۹)، مستشرقین کی پہلی کانفرنس ۱۸۷۳ء میں پیرس میں ہوئی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۳ء تک ان میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت تھی اب صرف اہل مغرب ہی کو شرکت کی اجازت ہے۔ (۳۰)

بیسویں صدی کے اواخر میں صورت حال یہ ہے کہ اب مستشرقین، مستشرق کہلوانا پسند نہیں کرتے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد وہ ''ایڈوائزر'' یا ایریا سٹڈی سپیشلسٹ/ ایکسپرٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ (۳۱)

سند حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

اسنادِ حدیث کی ابتداء کے بارے میں مستشرقین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر مستشرقین کی رائے میں اس کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ہوا۔ لیکن ہورووٹز اور رابسن اسنادِ حدیث کا آغاز پہلی صدی سے تسلیم کرتے ہیں۔

ہورووٹز Horovitz کہتا ہے:

"The first entry of the lsnad into the literature of tradition was in the last 3rd of first century" (32)

ادب حدیث میں پہلی بار اسناد کے سلسلے کا آغاز پہلی صدی کے آخر تہائی میں ہوا۔

رابسن کے مطابق

" lt is during the middle years of the first century of lslam that one would First Expelt anything like an lsnad. By then many of

the companions were dead, and people who had not seen the Prophet would be telling stories about him. It might then naturally occur to some to ask these men for their Authority. The growth of a hard and fast system must have been very gradual. (33)

اسلام کی پہلی صدی کے وسط میں اسناد کی توقع کی جاسکتی ہے، اس وقت تک بہت سے صحابہ وفات پاچکے تھے اور جن لوگوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا تھا وہ اُن کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتے تھے۔ لہذا یہ قدرتی امر تھا کہ اُن سے اُن کی ثقاہت کے بارے میں پوچھا جائے۔ اسناد کا باضابطہ نظام بتدریج ظہور پذیر ہوا۔

وہ مستشرقین جن کے خیال میں اسناد کا آغاز دوسری صدی کے اواخر یا تیسری صدی کے آغاز میں ہوا۔ ان میں کیتانی (Caetani)، سپرنگ، گولڈزیہر اور شاخت وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

کیتانی (Caetani) کے مطابق قدیم محدث عروۃ بن زبیر (م ۹۴ھ) نے کسی سند کو پیش نہیں کیا۔ کیتانی نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے چونکہ محمد ﷺ کی وفات کے تقریباً ساٹھ برس بعد عبد الملک کے دور تک اسناد کا رواج نہیں تھا۔ لہذا اسناد کا آغاز عروہ (م ۹۴ھ) اور ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ) کے دور کے مابین ہوا۔ اس کے خیال میں اسناد کا سلسلہ دوسری صدی کے آخر میں شاید تیسری صدی کے آغاز میں ہوا۔ (۳۴)

اسپرنگر (Springer) کے مطابق عروہ (م ۹۴ھ) نے جو کچھ عبدالملک کو تحریر کیا وہ سند کے بغیر تھا بعد میں اس کے ساتھ اسناد جوڑی گئیں۔ (۳۵)

شاخت لکھتا ہے: "There is no reason to suppose that the regular practice of using Isnad, is older than the beginning of the second century A.h (36)

اس مفروضے کو قائم کرنے کی کوئی دلیل نہیں کہ اسناد کے باقاعدہ استعمال کا رواج دوسری صدی ہجری کے آغاز سے قبل کا ہے۔

گولڈزیہر نے مؤطا امام مالک (م ۱۷۹ھ) جس کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے مطابق معنوی اعتبار سے یہ احادیث کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں عدالتی فیصلوں کو ثابت کرنے کے لئے احادیث کو استعمال کیا گیا ہے۔ زیہر کے خیال میں امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے اسناد کی تفصیل

بیان کرنے کے لئے کوئی مخصوص طریقہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ اکثر و بیشتر وہ عدالتی فیصلوں کے لئے ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جن کا سلسلہ صحابہ تک نہیں جوڑا جاتا اور اس میں متعدد خامیاں موجود ہیں۔(۳۷)

مستشرقین نے اسنادِ حدیث پر جو اعتراضات کئے اس کی بنیاد امام ابن سیرین کا یہ قول ہے۔ وہ اسناد کے متعلق فتنہ کے وقوع سے قبل سوال نہ کرتے تھے جب فتنہ واقع ہوا تو دیکھتے تھے کہ اہلِ سنت کون ہے۔ اس کی حدیث لے لیتے تھے اور اہل بدعت کی احادیث چھوڑ دیتے تھے۔(۳۸)

ایک اور روایت میں انہی کا قول ہے۔ وہ اسناد کے متعلق سوال نہ کرتے تھے جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو انہوں نے کہا ان آدمیوں کے نام لو۔ جو اہلِ سنت ہیں۔ ان کی احادیث لے لی جاتی تھیں اور اہلِ بدعت کی احادیث نہیں لی جاتی تھیں۔(۳۹)

شاخت نے اس روایت کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے اسے رد کیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے فتنے سے مراد اموی خلیفہ ولید بن یزید (۱۲۶ھ) کے قتل کا واقعہ لیا ہے اور جبکہ امام ابن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ میں ہو چکی تھی۔(۴۰)

رابسن اپنے مقالہ The Isnad in Muslim Tradition میں شاخت کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا کہ فتنے سے مراد ۱۲۶ھ کے واقعات ہیں جس کی بنا پر اس نے ابن سیرین کے قول کو من گھڑت قرار دیا ہے۔

رابسن لکھتا ہے:

مجھے ان نتائج کی صحت پر شک ہے جس زمانے کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ واقعی فتنے کا دور تھا یہ فتنے کے دور کا آغاز نہیں تھا۔ اس سے قبل علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان خانہ جنگی رہی ہے جو اسلام میں فرقہ بندی کا باعث بنی جس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ لیکن یہ دور بھی اتنا ابتدائی ہے کہ ہمیں اس سے صرف نظر کئے بغیر چارہ نہیں۔ زیادہ قرین قیاس وہ دور ہو سکتا ہے جب عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ مؤطا میں امام مالک ابن عمرؓ کی یہ خواہش نقل کرتے ہیں کہ وہ فتنہ کے دوران مکہ جانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اگر انہیں وہاں تک پہنچنے نہ دیا گیا تو وہ نبی ﷺ کے اسوہ پر عمل کریں گے جب کہ انہیں صلح حدیبیہ کے سال مکہ جانے سے روک دیا گیا تھا''۔(۴۱)

یہ واقعات ۶۴ھ اور ۷۲ھ کے ہیں جب مکہ میں عبداللہ ابن زبیرؓ کو محصور کر دیا گیا تھا۔ ابن سیرینؒ کی پیدائش ۳۳ھ کی ہے اور اس دور میں وہ عمر کی پختگی کے اس مرحلے میں تھے جہاں وہ پورے

یقین کے ساتھ اپنی بات کر سکتے تھے۔ لہذا ابن سیرینؒ سے منسوب قول کو درست مانا جاسکتا ہے اور یہ درست ہو تو ہوروٹز (Horovitz) کا نظریہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ادب حدیث میں اسناد کا آغاز پہلی صدی کی تیسری تہائی میں ہوا ہے۔

مستشرقین کی جانب سے بیان کی گئی مختلف آراء یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اسناد کی ابتدا کے بارے میں کسی ایک نکتہ نظر پر ان کا اتفاق نہیں بعض اس کو دوسری صدی کی پیداوار قرار دیتے ہیں اور بعض پہلی صدی کی آخر تہائی کی۔ جبکہ مسلمانوں کا یہ نکتہ نظر ہے کہ احادیث کو صحابہ کرامؓ نے پیغمبر علیہ السلام سے روایت کیا۔ صحابہ کرامؓ بھی حدیث کو سند سے بیان کرتے تھے اور تابعین نے اُن (صحابہ) کے واسطے سے نبی ﷺ سے روایت کیا مثلاً

حدثنا ابراهيم بن يعقوب: حدثنا زيد بن الحباب حدثنا ميمون ابو عبد الله حدثنا ثابت البناني قال: قال انس بن مالک: يا ثابت خذ عنى فانک لن تاخذ عن احد اوثق منى، انى اخذته عن رسول الله واخذه رسول الله عن جبرئيل و اخذه جبرئيل عن الله عزوجل (۴۲)

ثابت بنان فرماتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے تھے۔ اے ثابت مجھ سے احادیث میں آپ مجھ سے بڑھ کر کسی ثقہ سے احادیث نہیں لے سکتے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے اور جبرئیل نے اللہ سے)

محدثین نے حدیث کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اس کے لئے کہیں وہ بڑے بڑے سفر کرتے نظر آتے ہیں کہیں راویوں کے حالات معلوم کرنے کیلئے تگ و دو کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی کاوشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کے لئے باقاعدہ علم اسماء الرجال وجود میں آیا۔ اسی طرح سے اُصول حدیث اور الجرح والتعدیل جیسے علوم وجود میں آئے۔ عام راویوں پر الگ کتابیں لکھی گئیں۔ خاص کتب کے راویوں، ثقہ اور ضعیف راویوں، صحابہ اور تابعین سے متعلق کتب الگ لکھی گئیں۔ مختلف شہروں اور انساب کے بارے میں بھی کتابیں لکھی گئیں۔ اس سلسلے میں اگر کسی نے کوئی چیز وضع کر کے اُس کو پیغمبر علیہ السلام کے نام منسوب کرنے کی کوشش کی تو اس کا باقاعدہ محاسبہ کیا گیا۔

اسی قسم کا ایک اہم واقعہ خطیب بغدادی کے زمانے میں پیش آیا بعض یہودی لوگوں نے قائم کے وزیر اعلیٰ ابوالقاسم کے سامنے ۴۴۷ھ میں ایک خط پیش کیا جس کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا خط تھا اور حضرت علیؓ کی تحریر تھی۔ اس خط میں یہ لکھا تھا کہ خیبر کے یہود سے جزیہ ساقط ہوگیا ہے، اس بات پر صحابہ کرامؓ کی گواہی ثبت تھی۔ وزیر اعلیٰ نے یہ خط الحافظ الحجۃ ابوبکر الخطیب کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اس پر غور کرنے کے بعد فرمایا یہ جھوٹا خط ہے۔ کہا گیا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا اس میں حضرت معاویہؓ کی گواہی ہے۔ وہ (فتح مکہ) کے سال مسلمان ہوئے (فتح مکہ ۸ھ میں ہوا) اور فتح خیبر سات ہجری میں ہوئی۔ اس میں سعد بن معاذ کی گواہی ہے وہ یوم قریظہ کو فوت ہوگئے جو کہ خیبر سے دو سال قبل ہوا۔ ابوالقاسم سے جو کچھ خطیب بغدادیؒ نے کہا اس کو قبول کیا گیا۔ ان کی مدلل بات پر یقین کرتے ہوئے۔ یہود کے بیان کردہ خط کے محتویات کو انہوں نے رد کر دیا کیونکہ یہ جھوٹا ثابت ہوگیا تھا (۴۳)، خطیب بغدادی کے اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین نے راویوں کے حالات معلوم کرنے میں بہت وقت نظر سے کام لیا۔

اسناد اور واقعات کی چھان بین اور تحقیق کا شرف دنیا کے اور کسی مذہب کو حاصل نہیں بلکہ اسلام کو حاصل ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ:

نقل الثقة كذلك يبلغ الى النبى ﷺ خص الله به المسلمين دون سائر اهل الملل كلها (۴۴)

ثقہ کا ثقہ سے نقل کرنا یہاں تک کہ یہ آنحضرت محمد ﷺ تک پہنچے۔ یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے تمام ملتوں میں سے صرف مسلمانوں ہی کو عنایت فرمائی ہے۔

ابن حزمؒ نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

واما اقوال الصحابة والتابعين فلا يمكن اليهود ان يبلغوا الى صاحب النبى اصلاً ولا الى تابع ولا يمكن النصارى ان يصلوا اعلى من شمعون و بولص. (۴۵)

جہاں تک یہود کا تعلق ہے ان کے صحابہ کرام، یہود و نصاریٰ اور تابعین کے اقوال کے متعلق ممکن ہی نہیں کہ وہ نبی کے صحابی تک ہوں اور نہ ہی تابعی تک اور عیسائیوں میں وہ شمعون اور بولص سے آگے نہیں جا سکے۔

محدثین حدیث کی تفتیش اور تحقیق کے لئے بڑے بڑے سفر کرتے تھے۔ نصر بن حماد الوراق سے راویت ہے ہم شعبہ کے دروازے کے پاس حدیث کا مذاکرہ کررہے تھے۔ میں نے کہا ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی، اس نے ابو اسحاق سے، اس نے عبد اللہ بن عطا سے، اس نے عقبہ بن عامر الجعفی سے، اس نے کہا ہم آنحضرت ﷺ کے زمانے میں باری باری اونٹ چراتے تھے۔ ایک دن میں آیا آنحضرت ﷺ کے اردگرد صحابہؓ تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا ''جس نے وضو کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر اللہ سے بخشش طلب کی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے'' میں نے کہا واہ واہ۔ میرے پیچھے سے ایک آدمی نے مجھے کھینچا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ عمرؓ بن الخطاب تھے۔ فرمانے لگے تجھے کیا ہے آفرین آفرین کہتا ہے۔ میں نے کہا اس بات کو پسند کرتے ہوئے۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے اگر آپ نے اس سے قبل کا کلام سنا ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا وہ اس سے بھی تعجب انگیز تھا میں نے کہا۔ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ حضرت عمرؓ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جس نے گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اسے کہا جائے گا آپ جنت کے جس دروازے سے چاہیں داخل ہو جائیں۔

نصر بیان فرماتے ہیں شعبہ باہر تشریف لائے اور انہوں نے میرے منہ پر تھپڑ مارا۔ پھر دوبارہ اندر داخل ہو گئے۔ نصر کہتے ہیں میں ایک طرف ہو کر رونے لگا۔ پھر وہ نکلے تو پوچھنے لگا اس کو کیا ہو گیا ہے کہ رو رہا ہے۔ عبد اللہ بن ادریس نے کہا۔ آپ نے اس سے زیادتی کی ہے۔ شعبہ کہنے لگے دیکھ وہ کیا بیان کرتا ہے۔ اسرائیل سے، وہ ابو اسحاق سے، وہ عبد اللہ بن عطا سے، وہ عقبہ بن عامر سے، وہ آنحضرت ﷺ سے بیان کرتے ہیں (شعبہ کہتے ہیں) میں نے ابو اسحاق سے پوچھا: آپ کو کس نے بیان کیا؟ اس نے کہا: عبد اللہ بن عطا نے بیان کیا۔ انہوں نے عقبہ بن عامر سے، انہوں نے نبی ﷺ سے، میں نے ابو اسحاق سے کہا: کیا عبد اللہ نے عقبہ سے سنا؟ (شعبہ) کہنے لگے وہ غصے میں آ گئے مسعر بن کدام بھی وہاں موجود تھے۔ مسعر نے مجھے کہا: تو نے شیخ کو ناراض کر دیا۔ میں نے کہا یا تو اس حدیث کو صحیح ثابت کرے (یا یہ حدیث صحیح ہو) ورنہ میں اس کو پھینک دوں گا۔ مسعر نے مجھے کہا: یہ عبد اللہ بن عطا مکہ میں ہیں۔ شعبہ نے کہا: میں نے مکہ کا سفر کیا، میرا حج کا ارادہ نہ تھا بلکہ اس حدیث کی طلب ارادہ تھا۔ میں عبد اللہ بن عطا سے ملا، اس سے اس کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا سعد بن ابراہیم نے مجھے بیان کیا۔ شعبہ کہتے ہیں۔ میں مالکؒ بن انس سے ملا۔ میں نے ان سے سعد کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا سعد بن ابراہیم مدینہ میں ہیں۔ اس سال انہوں نے حج نہیں کیا۔ میں نے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ مدینہ میں سعد بن ابراہیم سے ملا۔

میں نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا (یہ) حدیث آپ کے ہاں ہے جب انہوں نے زیاد بن مخراق کا ذکر کیا تو میں نے کہا یہ کون سی چیز ہے؟ وہ کوفی تھا پھر مدنی ہوگیا پھر بصری ہوگیا۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے بصرہ کا سفر کیا۔ میں زیاد بن مخراق سے ملا وہ کہنے لگا۔ حدیث آپ کی بانتہ (عمارت) میں سے نہیں ہے۔ میں نے کہا آپ مجھے بیان کریں۔ کہنے لگا تو نہ لوٹائے گا۔ میں نے کہا: آپ یہ مجھے بتائیں (بیان کریں) کہنے لگا مجھے شہر بن حوشب نے بیان کیا۔ میں نے کہا: مجھے اس حدیث سے کیا اگر اس جیسی آنحضرت ﷺ سے صحیح ہوتو یہ مجھے اپنے اہل و مال اور تمام لوگوں سے زیادہ پسند ہے۔

اس حدیث کو لکھنے کے بعد ابن عبدالبر لکھتے ہیں: ''ھکذا یکون البحث و التفتیش وھذا معروف من شعبۃ. بحث اور تفتیش اس طرح ہوتی ہے اور شعبہ کے متعلق یہ بات مشہور ہے''۔ اس لئے ان کے لئے (شعبہ) ابوعبدالرحمان النسائی نے کہا۔ اللہ کے رسول کی حدیث پر اللہ کے تین امین ہیں۔ مالک بن انسؒ، شعبہ بن الحجاج اور یحییٰ بن سعید القطان۔ (۴۶)

یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جب سند کے متعلق عام بحث و تفتیش ہونے لگی تو اہل علم ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی سند کے متعلق پوچھنے لگ گئے۔ ایک اعرابی سفیان بن عیینۃ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ آپ ایسی حاجی عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں جو بیت اللہ کے طواف سے پہلے حیض کی حالت میں ہوگئی؟ سفیان نے جواب دیا وہ سب کچھ کرے جو عام حاجی کرتے ہیں۔ صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اعرابی نے کہا: کوئی نمونہ ہے۔ سفیان نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہؓ کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے قبل حیض آگیا۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ طواف کے سوا سب کچھ کریں۔ اعرابی نے کہا ان تک (سند) بلاغ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں مجھے عبدالرحمان بن القاسم نے اپنے باپ سے بیان کیا، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا۔ اعرابی کہنے لگا۔ آپ نے اچھا نمونہ بیان کیا اور صحیح پہنچایا۔ اللہ آپ کی صحیح رہنمائی کرے۔ (۴۷)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک عام اعرابی نے سند کا اور پھر کامل سند کا سوال کیا اور ابن عیینہ نے انکو جواب دینے اور اس کے سوال پوچھنے میں کوئی تنگی نفس محسوس نہ کی بلکہ جو کچھ ان سے پوچھا اس کا خوش دلی سے جواب دیا۔

مشہور مستشرق سپرنگر Springer لکھتا ہے کہ:

The Glory of the literature of the Mohammadans is its literary biography. There is no nation nor has there been any which

like them has during the 12 centuries recorded the life of every man of letters if the biographical records of the musalmans were collected, we should probably have accounts of the lives of half amillion of distinguished persons, and it would be found that there is not adecennium of there history, nor a place of importance which has not its representatives" (48)

اور مشکوٰۃ المصابیح کا مترجم (Tobson) کہتا ہے:

In the gospels as they stand we don't have the various elements of the sources separated out for us as we Do through the "isnads" of muslim traditions where at least apparently, the transmission is traced back to the source" (49)

اور امام سخاویؒ اس راز کا پردہ فاش کرتے ہیں جس کے سبب مسلمانوں نے اسناد کی طرف بھر پور انداز میں توجہ دی۔ ''علم تاریخ الرواۃ من الحدیث'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو من عظم الوقع عن الدين قديم النفع به للمسلمين لا يستغنى عنه ولا يستغنى باعم منه خصوصاً ماهو القصد الا عظم منه وهو البحث عن الرواة والفحص عن احوالهم فى ابتدائهم وحالهم واستنبالهم لان الاحكام الاعتقادية والمسائل الفقهية ماخوذة من كلام الهادى من الضلالة و المبصر من العمى والجهالة، والنقلة لذلک هم الوسائط بيننا وبينه والرابط فى تحقيق ما اوحيه و سنة فكان التعريف بهم من الواجبات والتشريف متراجهم من المبهمات ولذا قام به فى القديم والحديث اهل الحديث بل نجوم الهدى ورجوم العدى. (۵۰)

اس فن کا دین میں عظیم مقام ہے۔ مسلمانوں کے لئے اس کا فائدہ ہے۔ نہ اس سے استغنا برتا جاسکتا ہے اور نہ اس کو عام لحاظ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ خاص کر اس میں جو بڑا مقصد ہے وہ راویوں کی تفتیش ہے۔ ان کے ابتدا میں ان کا حال اور استقبال کیونکہ اعتقادی احکام اور فقہی مسائل گمراہی سے ہادی کے اندھے اور

جماعت سے بصیرت والے کے کلام سے ماخوذ ہیں اور اس کے ناقل (رواۃ) ہمارے اور ان کے درمیان واسطہ ہیں اور جو چیز آپ نے ضروری قرار دی اور سنت بتائی، اس کے لئے ہمارے اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بھی رابطہ ہیں ان کو جاننا لازمی ہے اور ان کے حالات کو جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لئے اس کام کے لئے اہل حدیث بلکہ ہدایت کے ستارے اور دشمنوں کے لئے تیر ہیں اور قدیم اور جدید زمانہ میں اس کام پر لگے رہے۔

ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام میں سند حدیث کو از حد اہمیت دی گئی۔ اسی پر حدیث کی صحت کا مدار ہے۔ محدثین کسی ایسی حدیث کو قبول نہیں کرتے جس کے اندر مجروح راوی ہوں۔ حدیث کو روایت کرنے سے پہلے انہوں نے ہر طرح سے چھان پھٹک کی۔ اس معاملے میں شک کی بنیاد پر بھی راویوں کو چھوڑ دیا گیا۔ سندِ حدیث کا آغاز حدیث کی روایت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔

حضرت انسؓ کا یہ کہنا کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی بہتر راوی نہیں ہو سکتا کہ میں نے نبی ﷺ سے، انہوں نے حضرت جبرئیل اور انہوں نے اللہ سے سنا۔ حضرت ابوبکرؓ کا قبول روایت میں احتیاط کرنا۔ حضرت عمرؓ کا راویوں سے گواہ طلب کرنا حضرت علیؓ کا روایوں سے قسم لینا۔ ابتدائی دور سے ہی روایت حدیث میں احتیاط کے ساتھ ساتھ روایت پر کسی دوسرے راوی کی گواہی لینا سند کو ثابت کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ سند کا آغاز دورِ صحابہ سے ہی ہو گیا تھا۔ لہذا یہ الزام درست نہیں ہے کہ پہلے روایات وجود میں آئیں اور پھر اسناد کو روایات سے جوڑا گیا۔

جہاں تک تابعین کا تعلق ہے۔ وہ احادیث کو صحابہ کے توسط سے نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے اور اس طرح یہ سلسلہ بعد میں آنے والے راویان حدیث میں پایا جاتا ہے۔ ان کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں ان میں راویوں کا سلسلہ زنجیر کی کڑیوں کی طرف متصل ہے۔ لکھنے والے محدثین کو راویوں کے بارے میں تمام قسم کی معلومات ہیں۔ مسلمانوں کو تمام اقوام عالم میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ سند کا سلسلہ انہی کی میراث ہے۔

اسنادِ حدیث کی مسلمانوں کے ہاں اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ عبد اللہ بن مبارکؒ اس کو دین کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ اس علم کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کے حالات زندگی کی چھان پھٹک کی گئی۔ ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات لکھی گئیں۔ انکے اخلاق کو پرکھا گیا۔ خورد بینی انداز میں ان

کے اعمال کا محاسبہ کیا گیا۔ انکے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کی گئیں۔ ان کے متعلق حزم و احتیاط سے کام لیا گیا، ان کی تحقیق و تفتیش کی گئی۔ اس طرح کی تحقیق کسی اور مذہب کے ماننے والوں میں موجود نہیں ہے۔ اس کی گواہی مشہور مستشرق سپرنگر نے بھی دی ہے۔ جرح و تعدیل کے علم میں بڑے سے بڑے آدمی سے لیکر چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی جانچ پرکھ کی گئی۔ کسی کی حکومت یا جاہ و حشم اُن پر تنقید کو نہ روک سکی۔ اگر کسی کے متعلق کسی شبہ کا اظہار کیا گیا تو اس کی روایت کو چھوڑ دیا گیا۔

سند حدیث کی معلومات کے لئے کئی قسم کی کتب لکھی گئیں۔ ان میں معرفۃ الصحابۃ، معرفۃ التابعین، کتب طبقات، کتب الانساب، تاریخ احوال رواۃ الحدیث، کتب مشیخات، کتب وفیات، کتب رجال، کتب مخصوصہ، کتب ثقات اور کتب ضعفاوغیرہ شامل ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃؓ کے شاگرد نے اُن سے سُن کر جو احادیث لکھیں اُسے ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی اس کا مطلب ہے اس کو اس سے قبل نقل کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرۃؓ یمنی تھے اور ان کے شاگرد ہمام بھی یمنی تھے۔ وہ ان سے احادیث لکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہلی صدی کے وسط میں یہ تمام احادیث حضرت ابو ہریرۃؓ کی سند سے ضبط تحریر میں آ گئی تھیں یہ تمام احادیث صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کے مخطوطے کے دو قلمی نسخے برلن اور دمشق سے حاصل کر کے ڈاکٹر حمید اللہ نے ان پر تحقیق کی ہے۔ یہ مخطوطہ پہلی صدی ہجری کا ہے۔ جس سے مستشرقین کا یہ مفروضہ غلط ثابت ہوتا ہے کہ اسناد کا تعلق دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے آغاز سے ہے۔

حوالہ جات

۱۔ طاہر بن صالح بن احمد الجزائری، توجیہ النظر الی اصول الاثر (دار المعرفۃ، بیروت) ص ۲۲۵۔

۲۔ ابن حجر عسقلانی، نزھۃ النظر فی توضیح النخبۃ الفکر (فاروقی کتاب خانہ ملتان) ص ۹۲۔

۳۔ طاہر بن صالح، توجیہ النظر، ص ۲۵۔

۴۔ سورۃ الحجرات، آیت ۶۔

۵۔ سورۃ الطلاق، آیت ۲

۶۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، حدیث نمبر ۶۷ ص ۱۶، دار السلام، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۹ء۔

۷۔ مسلم الجامع الصحیح مع شرح النووی (نور محمد اصح المطابع، کراچی) ج ۱، ص ۶۲۔

۸۔ مسلم، مقدمہ الجامع الصحیح، ج۱،ص۶۹
۹۔ الحاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ (معرفۃ علوم الحدیث، دارافاق الجدیدہ بیروت الطبعۃ الرابعہ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء) ص۱۶۔
۱۰۔ ایضاً،ص۱۵۔
۱۱۔ ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدر آباد ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء الطبعۃ الثالثۃ) ج۱،ص۲
۱۲۔ ایضاً، ج۱،ص۶
۱۲۔۱، ایضاً
۱۳۔ ایضاً،۱/۶
۱۴۔ ایضاً،۱/۱۰
۱۵۔ ابوداؤد السنن، کتاب السنۃ، باب فی قتال الخوارج (دارالسلام الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۴۷۶۳،ص ۶۷۳۔۶۷۴۔
۱۶۔ ابوعمر یوسف بن عبدالبر، التمہید لمافی المؤطا من المعانی والاسانید (وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ المملکۃ المغربیۃ ۱۹۷۹ء، ۱۳۹۶ھ) ج۱،ص۴۵
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث (دارالآفاق الجدیدۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء) ص:۸
۱۹۔ بخاری، الادب المفرد،ص۳۳۷ (بیروت)
۲۰۔ الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث،ص۶
الخطیب البغدادی، الکفایۃ (المکتبۃ العلمیۃ، بیروت) ص۳۹۱
۲۱۔ عبدالحی کتانی، فہرس الفہارس (المطبعۃ الجدیدۃ، القاہرۃ ۱۳۴۶ھ) ج۱،ص۵۰
۲۲۔ ایضاً:
23 Hans wehr; Dictionary of Modern written Arabic, ed. J.M cowon (New York, 1961,P10)
۲۴۔ عمر فروخ، الاستشراق، مالہ۔ وماعلیہ' الاستشراق والمستشر قون (عدد خاص، مجلۃ المنہل، عدد ۴۷۱، اپریل، مئی ۱۹۸۹ء) ص،۱۵۔
۲۵۔ محمد یوسف رامپوری 'تحریک استشراق' (مجلّہ دارالعلوم دیوبند، مارچ ۱۹۸۸ء) ص ۳۵۔۵۴۔
26- Karen Armstrong Muhammad: A Bibliography of the Prophet (New York, 1992) P.25

۲۷۔ محمد یوسف رامپوری، تحریک استشراق، ص ۴۲۔۴۳۔

۲۸۔ ایضاً، ۴۴

29- Edward w.saeed, orientalism (New York, 1978)p,17-18.

۳۰۔ السامرائی، نعمان عبدالرزاق، الفکر العربی والفکر الاستشراقی (الریاض ۱۹۸۹) ص، ۳۰

۳۱۔ الندوی، ابوالحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین والباقین المسلمین (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۸٦) ص، ۱۵۔۱٦

32- Der Islam vol. 8, 1918 pp39-47

33- J.Robson. The Isnad in Muslim tradition (Glasgow University oriental society) 1955 Transaction, vol.xv,p21

34- Same, pp: 18

35- Same.

36- Schacht, Origins of Muhammadens' Jurisprudence, P:36-37

37- Gold Ziher, Muslim Studies (George Allen & unwin Ltd. London, 1971, Vol.2) P.213

۳۸۔ الذہبی، محمد بن احمد، میزان الاعتدال، دارالمعرفۃ بیروت، الطبعۃ الاول، ۱۹٦۲، ۱۳۵۲ھ) ج ا، ص ۳۰۴۔

۳۹۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح (نوائد اصح المطابع، کراچی) ج ا، ص ۴۴۔

40- Robson, The Isnad in Muslin traditions P20-21

41- Same, p.21-22

۴۲۔ ترمذی، کتاب المناقب (دارالسلام مناسب لانس بن مالک) حدیث نمبر ۳۸۳۱، ص ۸٦۷

۴۳۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (دارالکتب العربی، بیروت) ص: ۱۰

۴۴۔ ابن حزم، کتاب الفصل فی الملل والاہواء النحل (المکتبۃ الخانجی، القاہرہ ۱۳۲۱ھ) ج ۲، ص ۸۲

۴۵۔ ایضاً

۴٦۔ ابن عبدالبر، التمہید (وزارۃ الاوقاف والشودن الاسلامیہ المملکۃ العربیۃ ۱۹۷۹ء، ۱۳۹۴ھ) ج ا، ص ۴۵۔۵۱

۴۷۔ الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ (المطبعۃ العلمیۃ البیروت) ص ۴۰۳۔۴۰۴۔

48- Ibn-i-Hajar, Al-Isabah (Introduction by Springer) Biship's Colleگe Press Calcutta, 1856

49- Robson, Ibn-i-Ishaq's use of Isnads, Bulletan of the Jhon Ryland lisray Manchster 1956,Vol.38.

۵۰۔ السخاوی، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث (المکتبۃ العلمیۃ بیروت) ج ۲، ص ۲۸۱۔۲۸۲